© rasailojaraid.com

صفحہ

17 تا 24

موجود نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ
17 تا 24
موجود نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ

17 تا 24

موجود نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ
17 تا 24
موجود نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ

17 تا 24

موجود نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ
17 تا 24
موجود نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ

17 تا 24

موجود نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ

17 تا 24

موجود نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ حملہ جائز ہے یا ناجائز، اور جائز ہے تو کن صورتوں میں بلکہ اس وقت ہمارے پیش نظر یہ سوال ہے کہ ایک قوم نے جو دوسری قوم کے مملوکات پر اس طرح قبضہ کرلیا، آیا یہ قبضہ مفید ملک صحیح ہے؟ یعنی قبضہ کرنے والا کیا قانونی اور مذہبی حیثیت سے اس کا مالک ہوگیا؟ ایک پکے دین دار آئینی مسلمان کو اس سوال کے حل کی ضرورت عموماً اس وقت پیش آجاتی ہے جب وقت مثلاً فرض کیجیے کہ کسی انگریز کو جنگ میں جرمنی یا اور کسی قوم کا مال ملا اور انگریز اس کو کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے ۔ دوسری قوموں کو اس سے بحث ہو یا نہ ہو لیکن مسلمان اپنی کسی ملک کو اس وقت تک صحیح ملک نہیں سمجھتا جب تک کہ اسلامی قانون اس کی صحت کا فتویٰ نہ دے۔ اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنی شریعت سے پوچھے کہ آیا انگریز جرمنی کے اس مال کا مالک ہوا یا نہیں؟ اگر ہوگیا ہے تو اس کا بیچنا اور ہمارا خریدنا اور خرید کر اپنے تصرف میں لانا صحیح ہوگا۔ لیکن اگر انگریز خود ہی ناجائز مالک ہوا ہے تو اس کو بیچنے کا حق نہیں۔ اور جب اسی کو بیچنے کا حق نہیں تو میں خریدنے کے بعد اس کا کس طرح مالک ہوجاؤں گا؟ بہرحال یہ بین الاقوامی قانون کا ایک نہایت دلچسپ سوال ہے۔ فقہائے اسلام نے اس کے متعلق مستقل ابواب قائم کیے ہیں اور اس کے جزئیات کی انہوں نے کافی تفصیل کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) ایک تو یہ ہے کہ اگر کسی غیر مسلم قوم کے مملوکات پر اس طرح قبضہ کیا گیا ہے تو اسلام اس قبضہ کے بعد قبضہ کرنے والے کو مال کا مالکِ صحیح قرار دیتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے:۔

اذا غلب الترك ای کفار الروم ۔ اگر ترک کے کفار یورپ کے کافروں پر قبضہ پالیں

لہ آئندہ اس کا خیال رہے کہ میں غیر مسلم سے ہمیشہ ان لوگوں کو مراد لیتا ہوں جو مسلمان نہ ہوں اور نہ کسی اسلامی حکومت نے ان کی جان و مال کی ذمہ داری اپنے سر لی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فنبوھم واخذوا اموالھم ملکوھا اور اُن کو لوٹ لے جائیں۔ ان کے مال لے لیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔ (ج ۳ ص ۱۵۱)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کو مسلمان کے مملوکات پر کامل قبضہ حاصل ہو گیا۔ اس صورت میں بھی امام مالک امام احمد اور ہمارے ائمہ ابو حنیفہ وغیرہ رحمہم اللہ کا فتویٰ یہ ہے۔

اذا غلبوا علی اموالنا والعیاذ باللہ واحرزوھا بدارھم ملکوھا (ہدایہ) اور اگر کفار ہمارے یعنی مسلمانوں کے مال پر بھی خدا نخواستہ قابو پالیں اور اس کو اپنے ملک میں لیجائیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

پس یہی نہیں کہ غیر مسلم ایسی صورت میں صرف غیر مسلم ہی کے مملوکات کا جائز اور صحیح مالک ہو جاتا ہے، بلکہ اگر کافر کو مسلمان کے مالوں پر بھی اس طرح کامل قبضہ حاصل ہو جائے تو اسلام اس ملک کی بھی تصحیح کرسکتا ہے اور کافر کو اس مال کا مالک جائز قرار دیتا ہے۔ کیا یہی اسلام کی نارواداری ہے؟

اموال معصومہ وغیر معصومہ اور ان کی اباحت و عدم اباحت

چونکہ ثانی الذکر مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دوسرے ائمہ سے اختلاف ہے اس لیے فقہا نے قرآن و حدیث اور مختلف اسلامی مستندات سے اس قانون کے خالص اسلامی قانون ہونے کے نہایت واضح ثبوت پیش کیے ہیں۔ لیکن مضمون طویل ہوتا جاتا ہے اس لیے اس کے نقل کی ضرورت نہیں۔ میں اس موقع پر صرف اس قانونی تنقیح کو پیش کرتا ہوں جس کو قرآن و حدیث سے حاصل کیا گیا ہے۔

ان الاستیلاء ورد علی مال مباح فیعقد سببًا للملك جائز اور مباح مال پر کفار کا قبضہ ہوا ہے اس لیے یہ قبضہ ملک کا سبب بن جائے گا۔ (ہدایہ ص ۲۵۵)

مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا مال مسلمان کے لیے تو بلا شبہ معصوم اور محفوظ ہے ہر مسلمان ذمہ دار ہے کہ دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان کے مال کو بلا وجہ نہ لے لیکن غیر قوموں پر یہ قانون عائد نہیں ہوتا اسلیے تو یہ مباح ہوگا۔ چنانچہ قاضی خاں میں ہے:

لان العصمۃ من جملۃ الاحکام المشروعۃ وھم لم یخاطبوا بما فبقی فی حقھم مالاً غیر معصوم ای ھو مباح یملکونہ (ص ۲۶۷ ج ۳) کیونکہ عصمت تو ایک اسلامی قانون ہے غیر اسلامی ملک کے باشندے اس قانون کے محکوم نہیں ہیں۔ لہذا مسلمانوں کا مال ان کے حق میں معصوم نہیں ہے، یعنی وہ ان کے لیے جائز اور مباح ہے پس وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

اب قدرتی طور پر تیسری صورت سامنے آجاتی ہے کہ اسی طرح اگر کسی مسلمان نے غیر مسلم مقبوضات و مملوکات پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کا مالک ہوگا یا نہیں؟ اسی بین الاقوامی قانون کے اصول سے اس کا جواب بالکل ظاہر ہے جب غیر مسلم مسلمان کے مال کا مالک ہو جاتا ہے تو آخر مسلم کو بھی یہ حق مذہباً و دیناً و اخلاقاً و قانوناً کیوں نہ دیا جائے گا۔ بدائع میں ہے۔

مَالُ الحَرۡبِیِّ مُبَاحٌ لانہٗ لاعصمۃ لمال الحربی۔ (ص ۱۳۲ کاسانی) یعنی غیر مسلم جس کی جان و مال کی ذمہ دار کوئی اسلامی حکومت نہیں ہے اس کا مال مباح ہے کیونکہ ایسے غیر مسلم کا مال معصوم نہیں ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ جن قوموں نے اپنی جان و مال کی ذمہ داری مسلمانوں کے سپرد نہیں کی ہے، اسلام کی حفاظت اور ذمہ داری سے جنہیں انکار ہے، اگر اسلام بھی ان کی ذمہ داریوں سے انکار نہ کرے تو آخر وہ کیا کرے؟ تم اگر خدا سے برأت کا اعلان کرتے ہو تو خدا بھی تمہاری جان و مال کی ذمہ داری سے برارت کا اظہار کیوں نہ کرے؟ اسی لیے قرآن پاک میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۔ شرک کرنے والوں سے خدا بری ہے۔

اس کے سوا کوئی اور صورت کیا ہو سکتی تھی؟ جب دنیا کی تمام قومیں موقع اور قوت پا کر مسلمانوں کی جان و مال اور مملوکات پر قبضہ کر لیتی ہیں جیسا کہ قرآن کا خود بیان ہے کہ:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَاءً وَّ یَبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ وَاَلْسِنَتَھُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ (ممتحنہ)

اگر تم پر ان کو قابو مل جائے تو وہ تمہارے دشمن بن جائیں اپنے ہاتھ چوڑیں زبان سے برائی پہنچائیں، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی خدا کے ناشکر بن جاؤ۔

تو کیا اس قرآنی اور واقعی حقیقت کے بعد یہ ظلم نہ ہوتا، اگر مسلمانوں کا مذہب ان کو بھی اس کی اجازت نہ دیتا؟ قرآن نے اگر اس کے بعد یہ حکم دیا ہے کہ۔

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ (الآیۃ)

مقابلہ کرو ان لوگوں سے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ آخرت کے دن کو مانتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا اور نہ سچے آئین اور دین کو اپنی زندگی کا دستور العمل بناتے ہیں ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی۔

تو کیا اس کا مفاد اس کلیہ سے زائد ہے جو ابھی اسلامی فقہا کی تنقیح میں گذر چکا، یعنی مسلمانوں کا مال، مسلمانوں کے مملوکات جس طرح غیر مسلم اقوام کے لیے خود اسلامی قانون کی رو سے مباح ہیں اسی طرح وہ اور ان کے اموال بھی اللہ، اور اس کے رسولؐ کی شریعت اور قانون کی رو سے مباح اور حلال ہیں۔ اگر مسلمان ان پر قبضہ کرلیں گے تو اس کے صحیح مالک اور ہر قسم کے تصرفات کے مجاز و مختار ہوں گے۔[۱]

---

[۱] یہ خیال کرنا کہ برارت اور مقاتلہ کا حکم صرف ان غیر مسلموں کے ساتھ مخصوص ہے جو قتالی اور مصافی ہیں، لیکن جو غیر مسلم قوم مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتی اور نہ ان کی ذمی ہے اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے، قرآن اور حدیث سے جہل کا نتیجہ ہے۔ آخر یعد کم احدی الطائفتین میں خدا نے غیر مصافی قافلہ تجار کا بھی وعدہ کیا تھا یا نہیں؟ صحابہ کا ارادہ بھی یہی تھا۔ اگر ایسا کرنا حرام تھا تو قرآن کو ٹوکنا چاہیے تھا۔ صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں بھی ابو بصیر صحابی اور ان کے رفقاء کا گذر صرف تجارتی قافلہ کے اموال غیر معصومہ پر ہوا تھا۔ حضرت ابو ذر بھی ایک (بقیہ حاشیہ نمبر ۲۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عود الی المقصود

بہرحال اصلی بحث یہ تھی کہ غیر اسلامی ملک میں مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل کیا ہونا چاہیے۔ اور وہاں کے باشندوں کے ساتھ ان کے تعلقات کی کیا نوعیت ہوگی بیچ میں ایک مسئلہ کا ذکر آگیا۔ بات تو بہت عام تھی لیکن صحیح خیالات کے لیے مجھے اصل بحث سے تھوڑی دیر کے لیے دور ہو جانا پڑا اب میں پھر اپنے اصلی مدعا کی طرف آتا ہوں۔

تکملہ حاشیہ صـ ۲۸ زمانہ میں یہی کھاتے تھے۔ بہرحال قتالی ہو یا غیر قتالی، امیر کا اذن ہو یا نہ ہو، غیر ذمی کفار مباح الدم والاموال ہیں۔ ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

ولا نعلم احداً من الفقہاء یحظر (یمنع) قتال من اعتزل قتالنا من المشرکین۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما قریۃ اتیتموھا فاقمتم فیھا فسھمکم فیھا وایما قریۃ عصت اللہ ورسولہ فان خمسھا للہ ولرسولہ ثم ھی لکم۔ اس کی شرح میں قاضی عیاض لکھتے ہیں ان المراد بالقریۃ الاولیٰ ھی التی لم یوجف علیھا المسلمون بخیل ولا رکاب بل اجلیٰ عنھا اھلھا وصالحوا فیکون سھمھم فیھا کما تقرر فی الفئی ۱۲ ابو الاعلیٰ۔ (؟ سبل السلام)

ترجمان القرآن۔ یہاں مولانا سے بڑی چوک ہوئی کہ انہوں نے محارب Belligerent اور غیر محارب Non-belligerent کے فرق کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ محارب وہ قوم ہے جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہو۔ ایسی قوم کا کوئی فرد یا گروہ بالفعل مقاتل (Combatant) ہو یا نہ ہو، بہرحال اس کا مال مباح ہے۔ ہم اس کے تجارتی قافلوں کو گرفتار کر سکتے ہیں اس کے افراد ہماری زد میں آئیں گے تو ہم ان کو پکڑیں گے اور انکے اموال پر قبضہ کریں گے۔ مولانا نے جتنی مثالیں پیش کی ہیں وہ سب اسی قبیل کی ہیں لیکن جو قوم ہم سے برسر جنگ نہیں، وہ خواہ معاہد ہو یا نہ ہو اس کے اموال ہمارے لیے مباح نہیں۔ قرآن میں تصریح ہے کہ لَا یَنۡہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡہُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ (الممتحنہ، ۱)۔ یہ بات عین مقتضائے عقل و انصاف ہے۔ ورنہ اگر مسلمانوں کے لیے مطلقاً ہر غیر ذمی کافر کا مال مباح ہو، جیسا کہ مولانا کے بیان سے ظاہر ہو رہا ہے، تو مسلمانوں کی قوم اقوام عالم کے درمیان امۃ وسطاً ہونے کے بجائے ایک لٹیری قوم بن جائے گی، غیر قوموں پر ڈاکے مارنا اس کا پیشہ قرار پائیگا۔ (بقیہ سلسلہ حاشیہ بر صـ ۳۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں عرض کر چکا ہوں کہ "مستامن مسلمان" کے لیے فرض ہے کہ جس غیر اسلامی حکومت میں وہ امن کی ضمانت لے کر داخل ہوا ہے وہاں کے مروجہ قوانین کی سختی سے پابندی کرے کسی کے مال و جان، عزت و آبرو پر حملہ کر کے قانون وقت کو توڑنا غدر ہے۔ اور غدر قرآناً و حدیثاً واجماعاً حرام ہے۔ الغرض قانون وقت کی پابندی اس کا ایک مذہبی فریضہ ہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ قانون ملکی کے خلاف لفافہ میں نصف ماشہ کا بھی اضافہ یا ریل کے سامان میں پاؤ سیر کی زیادتی بھی اس کے لیے ناجائز ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ امن پسند قوم مذہبی حیثیت سے کوئی نہیں ہو سکتی ہے

لیکن سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ "اسلامی قانون" کی رو سے ایک فعل ناجائز ہے، مثلاً یہی سود کا مسئلہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے کسی دوسرے کا مال لینا اسلام میں قطعاً حرام ہے اگر غیر اسلامی قانون میں اس ذریعہ سے تحصیل مال کی اجازت ہے۔ نہ صرف رعایا کو اجازت ہے بلکہ حکومت بھی بڑے وسیع پیمانے پر مختلف صورتوں میں اس کا کاروبار کرتی ہے۔ ایسی صورت میں مسلمان کو

تکملہ حاشیہ ۲۹ اور دنیا میں اس کا وجود ایک بلائے عام Public nnisanee بن جائیگا۔ رہا یہ سوال کہ جب غیر مسلم مسلمانوں کے مال پر ظالمانہ قبضہ کر کے اس کا مالک ہو سکتا ہے تو مسلم بھی کیوں نہ اس کے مال پر قبضہ کرنے کا مجاز ہو، تو یہ بھی درحقیقت حالت جنگ سے تعلق رکھتا ہے۔ حالت امن میں اسلام اپنی رعایا کو دوسری غیر محارب قوموں پر ڈاکہ زنی کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہاں اگر دوسری قوم کے افراد مسلمانوں پر ڈاکہ زنی کی ابتدا کریں تو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان حالت جنگ قائم ہو جائے گی اور اس وقت مسلمانوں کے لیے ان کے اموال اور خون مباح ہو جائیں گے۔ قرآن میں جہاں عہد شکن سے اعلان برأت کیا گیا ہے وہاں صاف طور پر یہ بھی کہہ دیا گیا ہے کہ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ۔ (یعنی ظلم کی ابتدا ان کی طرف سے ہوئی تھی) پس مسلمان اپنی طرف سے سلب و نہب کی ابتدا نہ کریں گے۔ بلکہ جب ابتدا دوسروں کی طرف سے ہوگی، تو وہ معاہدہ کی صورت میں فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ پر اور پہلے سے معاہدہ نہ ہونے کی صورت میں اعلان جنگ پر عمل کریں گے۔ اس کے بعد تمام قوم حربی قرار پائے گی اور اس کے اموال اور خون مباح ہو جائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اگر وہ "مستامن مسلمان" اس ذریعہ سے اُس ملک کے غیر مسلم باشندے کا مال حاصل کرتا ہے تو نقض معاہدہ یا قانون شکنی یا غدر کا وہ قطعاً مرتکب نہیں ہے، اور اس لحاظ سے مذہبی طور پر وہ قانون معاہدہ کا تو قطعاً مجرم نہیں۔

اب رہ گئی یہ بحث کہ کیا اس نے کسی دوسرے سے ایسے مال کو حاصل کیا ہے جس کے لینے کا گو قانون ملکی نے اسے مجاز گردانا ہے، لیکن مذہب یا خدا اُس کے لینے سے روکتا ہے؟ یا یوں کہو کہ کیا اس نے ایسا مال حاصل کیا ہے جو قانوناً نہ سہی لیکن اسلام کی رو سے وہ مباح نہ تھا بلکہ معصوم تھا؟ ابھی شریعت "اسلامی قانون" بلکہ قرآن سے گذر چکا ہے کہ اس قسم کا مال مسلمان کے لیے مذہباً غیر معصوم ہے اور مباح ہے۔[1] پھر ایک مسلمان کیا کرے؟ قرآن اور مذہب جس کو غیر معصوم اور مباح کہتا ہے کیا وہ اپنے مذہب سے روگردانی کر کے اس کو معصوم اور غیر مباح کہدے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس مال کو نہ قانون ناجائز قرار دیتا ہے اور نہ شریعت حرام قرار دیتی ہے بلکہ اس کے لینے کا حکم دیتی ہے، غریب مسلمان آخر اس جائز کو کس طرح ناجائز اور اس حلال کو کس طرح حرام کر دے؟ کیا وہ سلطنت کے قانون سے بغاوت کرے یا شریعت کے حکم کو توڑے؟ کیا اس کے بعد مسلمان کے لیے کہیں بھی پناہ ہے؟ اسلامی قوانین کا یہی وہ اضطراری مقتضا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے سب سے بڑے محتاط بلکہ بقول بعض عوام، سخت گیر امام، امام الائمہ، قدوۃ الاتقیاء، قائم اللیل، التابعی المجتہد المطلق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ نہایت بین اور غیر مبہم واضح لفظوں میں امام محمدؒ نے "سیر کبیر"

[1] ترجمان القرآن:- یہ اباحت صرف اس صورت میں ہے جبکہ ایک قوم محارب ہو۔ اگر غیر محارب قوم کے مال کو بھی اسی طرح مباح سمجھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہندوستان میں کسی غیر مسلم کے مال کو لوٹنے یا چرا لینے یا رشوت و خیانت کے ذریعے لینے والا مسلمان صرف قانون ملکی کا مجرم ہوگا" اور مذہباً اسے محض اس بنا پر گنہگار سمجھا جائے گا کہ اس نے قانون معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے نہ کہ اُن احکام اسلامی کی جن میں ان افعال کو بجائے خود حرام کیا گیا ہے۔ مولانا کے طرز استدلال کا منطقی نتیجہ یہی ہے مگر ہمیں امید نہیں کہ وہ اس نتیجہ کے قائل ہوں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نقل فرمایا ہے:۔

واذا دخل المسلم دار الحرب[1] بامان فلا بأس بان یاخذ منھم اموالھم بطیب انفسھم بای وجہ کان لانہ انما اخذ المباح علی وجہ عری عن الغدر فیکون ذالک طیباً لہ۔

(منقول از شامی ص ۲۱ ج ۴ مطبوعہ مصر)

جب مسلمان دار الحرب (غیر اسلامی ملک) میں امن کا معاہدہ کرکے داخل ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہاں کے باشندوں (غیر مسلم) کی مرضی سے ان کا مال لے خواہ ذریعہ کوئی بھی ہو کیونکہ اس نے ایک مباح مال کو لیا ہے اور ایسے ذریعہ سے لیا ہے جو قانون شکنی (غدر) سے پاک ہے تو یہ مال اس کے لیے پاک اور طیب ہے۔

---

[1] ترجمان القرآن۔ دار الحرب سے مراد یہاں ایسا ملک ہے جو مسلمانوں سے برسر جنگ ہو جس سے سلطنت اسلامی کا کوئی معاہدہ نہ ہو، اور جہاں سلطنت اسلامی کی مسلم رعایا کے افراد حالت جنگ میں بطور خود امان (Safe eonducts or trade licenses) لے کر غیر معاندانہ کاروبار (Non-hostile intercourse) کے لیے جائیں۔ حنفی قانون کی اس دفعہ کو ایسے دار الکفر پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا جو پورا دار الکفر بھی نہ ہو اور جہاں مسلمان ایک قوم محارب کی حیثیت سے نہیں بلکہ رعایا کی حیثیت سے آباد ہوں اور اسے اپنی حد تک اپنے پرسنل لا کی پابندی کا حق بھی حاصل ہو۔ مولانا کے نظریہ کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ ہر غیر ذمی کافر کو حربی (Enemy) اور ہر غیر مسلم مقبوضہ کو دار الحرب سمجھ رہے ہیں۔ یہ اسلام کے بین الاقوامی قانون کی بالکل غلط تعبیر ہے۔ غیر مسلم کا مال اور خون صرف حالت جنگ میں مباح ہے، اور وہ بھی اسلامی سلطنت کی رعایا کے لیے نہ کہ خود اس غیر مسلم سلطنت کی مسلم رعایا کے لیے جس کو آپ حربی قرار دے رہے ہیں۔ حنفی قانون کا منشا صرف اس قدر ہے کہ جب کوئی مسلمان دشمن کے ملک میں امان لے کر جائے تو وہاں وہ عقود فاسدہ پر بیع و شرا کر سکتا ہے۔ یہ اجازت دو وجوہ پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ دشمن کا مال فی الاصل مباح ہے۔ جب اس کو بجبر چھین لیا جا سکتا ہے تو عقد فاسد کے ذریعہ سے حاصل کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ جنگ کی حالت ایک اضطراری حالت ہے اور اضطرار میں حرام حلال ہو جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہر ہے کہ یہ فتویٰ اس عہد تاریک کا نہیں ہے جس وقت مسلمان محکوم تھے۔ جس زمانہ میں امام رحمۃ اللہ علیہ نے شریعت سے اس قانونی دفعہ کو پیدا کیا تھا، غالباً اس وقت کسی کے حاشیہ خیال میں بھی مسلمانوں کے اعمال و افعال عقائد و رسوم کی وہ "زشتی" نہ تھی جو "نادر یورپ" کی صورت میں یکایک ظاہر ہو گئی ہے یہاں تک کہ عباد صالحین نے قوم عابدین کو عبادت کے کٹہرے کی طرف بھگانے کے لیے اپنی میراثوں میں، غوثی و قطبی میراثوں میں ان شیروں کو کچھاروں سے چھوڑ دیا جو سب پر رحم کر سکتے ہیں، لیکن جن کا فریضہ عبادت تھا ان کے پاس ان کے لیے کوئی رحم نہیں ہے اور کہیں نہیں ہے۔ فقہا جب اس مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں کہ کسی اسلامی مقبوضہ پر فرض کرو کہ غیر اسلامی حکومت قابض ہو جائے تو معاً بطور "جملہ معترضہ" کے "عیاذاً باللہ" کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں، یعنی اس فرض کو بھی وہ فرض کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ایسی صورت میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام اعظم نے

ؔ ترجمان القرآن۔ غالباً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ خیال میں یہ بات بھی نہ تھی کہ جو حکم انہوں نے دشمن کے ملک میں امان لے کر جانے والے مسلمان تاجروں یا سیاحوں کے لیے بیان کیا تھا اس کو غیر اسلامی مقبوضات میں مستقل رہنے والے ان کروروں مسلمانوں پر چسپاں کیا جائے گا جو غیر مسلم حکومت کے ماتحت اتنی آزادی ضرور رکھتے ہیں کہ اسلام کے معاشی و عمرانی قوانین کی پابندی کر سکیں۔ امام صاحب نے جو قانون بیان فرمایا ہے وہ صرف ایسے دار الحرب (Belligerent Country) کے متعلق ہے جس میں کوئی مسلمان کاروبار کے لیے امان لے کر جائے۔ ان کا یہ مقصود ہرگز نہ تھا کہ مسلمان جہاں غیر مسلم حکومت کے تحت ایک کثیر تعداد میں مستقل بود و باش رکھتے ہوں وہاں وہ اسلام کے معاشی قانون سے آزاد ہیں اور جن مالی معاملات کو اسلام نے حرام کیا ہے وہ سب وہاں کیے جا سکتے ہیں۔ ایسی جگہ تو مسلمانوں کا فرض یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نہ صرف سرمایہ داری نظام سے بچیں بلکہ اپنی پوری اجتماعی قوت اس نظام کو توڑنے اور اسلام کے معاشی نظام کو قائم کرنے میں استعمال کریں۔ لیکن مولانا جس طریق پر اسلامی قانون کی تعبیر فرما رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان اپنی قومی طاقت کو سرمایہ داری نظام کے استیصال پر صرف کرنے کے بجائے خود اسی نظام میں جذب ہو کر رہ جائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی وقت ضرورت کے آگے نہیں بلکہ کتنی شریعت کی مجبوریوں کے آگے گردن جھکا دی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ صرف قرآن ہی نہیں بلکہ خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس فتوے کی عملی تصدیق صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ جس وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روم و ایران کی باہمی آویزشوں کے زمانہ میں قرآن مجید کی پیش گوئی پر اصرار کرتے ہوئے ایک غیر اسلامی ملک یعنی مکۂ مکرمہ میں (جو اس وقت حکومت اسلامیہ کے تحت تھا) قریش سے یہ شرط لگائی کہ قرآن ہی کی پیش گوئی پوری ہو گی تو جب وہ پوری ہوئی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کے اونٹ لینے کا حکم دیا اور یہ اونٹ وارثوں سے وصول کیے گئے (ترمذی) فقہاء اسلام اس عمل سے اس اسلامی قانون کی توثیق کرتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس قسم کی شرط "صریح قمار (جوا) ہے جس کی حرمت قطعی نصوص سے ثابت ہے[۱]۔

دارالحرب میں سود حلال نہیں بلکہ فے حلال ہے

لوگوں میں یہ عجیب بات مشہور ہے کہ غیر اسلامی حکومتوں میں سود حلال ہو جاتا ہے، اور زیادہ تر اصل مسئلہ کے نہ سمجھنے میں یہی تعبیر مانع آتی ہے ورنہ مسئلہ کی بنیاد جس قرآنی قانون پر ہے اس کے لحاظ سے یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ جو چیز حرام تھی وہ کسی وقت حلال ہو گئی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جو چیز ہمیشہ سے حلال تھی وہی حلال ہوئی۔ خدا جس چیز کو حلالاً طیباً فرماتا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسی کو طیب فرماتے ہیں، ورنہ ایک مسلمان کو اس کا کیا حق ہے کہ قرآن جس چیز کو حرام کرے اسے وہ اپنی رائے سے یا کسی معمولی ظنی خبر کی بنیاد پر حلال کر دے

---

[۱] ترجمان القرآن۔ ترمذی میں تصریح ہے کہ یہ شرط اس زمانہ میں ہوئی تھی جب تحریم رہان کا حکم نہیں ہوا تھا تفسیر ابن جریر میں بھی اس کی تصریح کی گئی ہے۔ پھر تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے اس شرط کا مال ابی بن خلف کے ورثاء سے وصول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا حضور نے فرمایا کہ اسے صدقہ کر دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مال بکروہ تھا۔ دشمن سے لے لیا گیا مگر اسے خود اپنے استعمال میں لانا پسند نہ کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خصوصاً وہ جو واحد خبروں سے نص پر اضافہ کو کسی طرح جائز قرار نہیں دیتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ علاوہ اسی وجہ کے کہ (قانون وقت کے جس جائز کردہ ذریعہ سے بھی وہ مال ملتا ہو) کی عمومیت کے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سود ہی کو نہیں بلکہ قمار (جوا) کے ان ذرائع سے بھی تحصیل مال کو طیب قرار دیا ہے جن کی قانون وقت میں ممانعت نہ ہو شلاً یہی بیمہ ہے یا لاٹری انشورنس کا ذریعہ ہیں۔ علمار اسلام کے نزدیک

لہ ترجمان القرآن۔ دارالحرب کے جو احکام فقہ حنفی میں حالت جنگ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو ہندوستان پر چسپاں کرکے مولنا سخت غلطی کر رہے ہیں اس کے معنی تو یہ ہیں کہ ہندوستان میں جوے اور لاٹری اور ریس کے ذریعہ سے بھی مسلمان روپیہ کما سکتے ہیں اور یہ مال ان کے لیے طیب ہے۔ اگر اسی پر فتویٰ ہو جائے تو معاشی حیثیت سے مسلمانوں اور غیر مسلموں میں قطعاً کوئی فرق نہ رہے گا اور جہاں تک معاشی زندگی کا تعلق ہے، تمام مسلمانان ہند غیر مسلم ہو جائیں گے۔ اصلی غلطی یہ ہے کہ مولانا ہر اس غیر مسلم کے مال کو مباح سمجھ رہے ہیں جس کی ذمہ داری کسی اسلامی حکومت نے نہ لی ہو۔ حالانکہ اس نظریہ کی تائید قرآن و حدیث کے کسی حکم سے نہیں ہوتی۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ وہ ایسے دارالکفر کو جو من وجہ دارالکفر اور من وجہ دارالامن اور دارالاسلام ہو چکا ہو، دارالحرب قرار دے رہے ہیں۔ یہ نہ صرف سوء تعبیر ہے بلکہ اپنے نتائج کے اعتبار سے مسلمانوں کی قومی زندگی کے لیے نہایت مہلک بھی ہے۔ ہندوستان اس وقت دارالحرب تھا جب انگریزی حکومت یہاں اسلامی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کا فرض تھا کہ یا تو اسلامی سلطنت کی حفاظت میں جانیں لڑا دیتے۔ یا اس میں ناکام ہونے کے بعد یہاں سے ہجرت کر جاتے لیکن جب وہ مغلوب ہو گئے، انگریزی حکومت قائم ہو چکی اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لا پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ یہاں رہنا قبول کر لیا تو اب یہ ملک دارالحرب نہیں رہا اس لیے کہ یہاں تمام اسلامی قوانین منسوخ نہیں کیے گئے ہیں۔ نہ مسلمانوں کو احکام شریعت کے اتباع سے روکا جاتا ہے نہ ان کو اپنی شخصی اور اجتماعی زندگی میں شریعت اسلامی کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ایسے ملک کو دارالحرب ٹھیرانا اور ان رخصتوں کو نافذ کرنا جو محض دارالحرب کی مجبوریوں کو پیش نظر رکھ کر دی گئی ہیں۔ اصول قانون اسلامی کے قطعاً خلاف ہے، اور نہایت خطرناک بھی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو اس ملک میں اسلامی قوانین پر عمل درآمد کرنے کے جو اختیارات حاصل ہیں ان سے بھی وہ خود بخود دست بردار ہو جائیں گے، شریعت کے جو حدود اس وقت ان کے قومی وجود کی حفاظت کر رہے ہیں، وہ بھی باقی نہ رہیں گے اور مسلمان غیر اسلامی نظام میں جذب ہو کر رہ جائیں گے تعجب ہے کہ مولنا نے اپنے مضمون کے ابتدائی حصہ میں تو مسلمانوں کے اندر یہ روح پھونکنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنی اجتماعی قوت سے کام لے کر غیر مسلموں میں نظام اسلامی کے اصول پھیلانے کی کوشش کریں اور غیر اسلامی نظام کے طلسم کو توڑنے کے لیے ایک اقدامی طرز عمل (forward policy) اختیار کریں مگر آگے بڑھ کر انہوں نے مسلمانوں کو پسپائی کا درس دینا شروع کر دیا۔ انتہائی اضطرار کی حالت میں مسلمانوں کے ایسے منتشر افراد کو جن کی کوئی اجتماعی طاقت نہ ہو، اور جو معاندین کے درمیان گھرے ہوئے ہوں، اسلام اپنے قانون کی

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قمار اور سود کی یہ مرکب شکل ہے لیکن سیر کبیر میں امام محمدؒ امام اعظمؒ سے ناقل ہیں۔

او اخذ مالاً منھم بطریق القمار فذلک کلہ طیب؛ اگر ان سے (غیر مسلموں سے) جوے کے ذریعہ مال لے گا تو یہ سب اس کے لیے پاک اور طیب ہے۔

سود کی شہرت کا سبب غالباً امام مکحول (جو محدثین کے نزدیک ایک ثقہ راوی ہیں) کی وہ مرسل حدیث ہے جو اسی مسئلہ کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے:-

عن مکحول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ربوٰ بین الحربی والمسلم (اسندہ بیہقی)

مکحول سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حربی (غیر مسلم) اور مسلمان کے درمیان سود نہیں ہے

لوگ نہ معلوم اس کا مطلب کیا سمجھتے ہیں ورنہ ظاہر الفاظ سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ مسلم اور غیر ذمی نا مسلمان کے درمیان اگر سود کا معاملہ ہو تو وہ سود سود ہی نہ ہو گا بلکہ "قرآنی قانون اباحت" کے تحت یہ مال مسلمان کے لیے طیب و حلال ہے۔

بہر حال اسلامی شریعت، قرآن و حدیث، عمل صحابہ کی رو سے یہ ایک ایسا واضح اور صاف قانون ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لوگ مکحول کی حدیث مرسل کے متعلق حجیت و عدم حجیت کا سوال اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں تو تائید میں پیش کی جاتی ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے اموال لے طیب و حلال ہونے کا حکم تو قرآن کے نصوص صریحہ کی واضح عبارت کا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵

گرفت ڈھیلی کر کے چند رخصتیں عطا کرتا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ حکم بھی دیتا ہے کہ اس حالت میں قیام نہ کرو، بلکہ بعجلت ممکنہ دار الاسلام کی طرف واپس آجاؤ۔ مولانا ان رخصتوں کو ایسی قوم کے لیے عام کر رہے ہیں جو آٹھ کروڑ کی عظیم الشان تعداد میں ہے اور مستقل طور پر اس ملک میں متوطن ہے۔ دار الحرب کے احکام ایسی قوم کے لیے ہرگز نہیں ہیں اس کو تو نہ صرف یہ کوشش کرنی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ جن احکام اسلامی پر عمل کرنا ممکن ہو ان پر عمل کرے، بلکہ دار الکفر کو دار الاسلام بنانے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کرنی چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ ہے۔ علامہ ابن ہمام نے بالکل صحیح لکھا ہے:۔

وفی التحقیق یقتضی انه لو لم یرد مکحول اجازه النظر المذکور۔ (فتح القدیر ج ۷، صـ ۱۷)

اور تحقیق کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر مکحول کی روایت نہ بھی وارد ہوتی تو مذکورۂ بالا "نظر" اس کی اجازت دیتی ہے

صاحب بدائع نے اسی بنیاد پر امام ابوحنیفہ رح کے مذہب کی صحیح تعبیر یہ کی ہے:۔

وعلی هذا اذا دخل مسلم او ذمی دار الحرب بامان فعاقد حربیا عقد الربوا او غیره من العقود الفاسدة فی الاسلام جاز (صـ ۱۳۲ ج ۷)

اور اس بنیاد پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر مسلمان یا ذمی دار الحرب (غیر اسلامی ملک) میں امن کا معاہدہ کرکے داخل ہوا اور کسی غیر مسلم نے ربوٰا (سود) کا معاملہ کیا یا اس قسم کا کوئی معاملہ کیا جو اسلامی قانون کی رو سے فاسد ہو تو وہ معاملہ جائز ہوگا۔

فَی اور پھاؤ کی اصطلاح

اور اسی لیے میرا ناچیز خیال ہے کہ اس قسم کی تمام "آمدنیاں" جو مسلمانوں کو غیر اسلامی حکومتوں میں قانوناً میسر آسکتی ہیں، ان کو بجائے سود یا قمار یا جوا وغیرہ کہنے کے مناسب ہوگا کہ اس کا خاص نام "فَے" رکھدیا جائے جس کے معنی گویا یہ ہوں گے کہ وہ مال جو بغیر کسی حرب وقتال، جنگ وجدال کے دوسری اقوام سے امن پسندانہ طور پر قانون وقت کی پوری پابندی کے ساتھ مسلمانوں کو ملا ہے مجھے ایسا خیال آتا ہے کہ ہندی میں ایک لفظ پھاؤ کا ہے جو

له شامی میں ہے وما اخذ منهم بلا حرب ولا قهر کالهدیة والصلح فهو لا غنیمة ولا وحکمه حکم الفیٔ: صـ ۲۵

اور جو کچھ ان سے بغیر جنگ اور زبردستی کے لیا جائے مثلاً خراج یا مال صلح، تو وہ نہ غنیمت ہے اور نہ فَی بلکہ اس کا حکم فَی کا حکم ہے۔

فتح القدیر میں ہے۔ فکان هذا اکتساب مباح من المباحات کالاحتطاب والاصطیاد۔۔

یہ اکتساب مباحات میں سے ہوگا جیسے لکڑیاں چننا اور مچھلیاں پکڑنا۔ بقیہ حاشیہ بر صـ ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قریب قریب "فے" کا ہم تلفظ بھی ہے، اور غالباً ایک حد تک اسی معنی کو ادا بھی کرتا ہے۔ خواص تو ان آمدنیوں کو اپنی "فُئے" کی آمدنی کہیں گے، عوام کی زبان پر "ف" نہ چڑھے گی تو وہ اس کو "پھُوئے" کہدیں گے۔ اس تعین اصطلاح کی ایک بڑی ضرورت وہ وجہ بھی ہے جو بعض ثقات اسلام کی جانب سے اس مسئلہ کے متعلق بطور اندیشہ یا خطرے کے پیش کیا جاتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اس مسئلہ کا اعلان کر دیا گیا تو ممکن ہے کہ امتداد زمانہ کے بعد مسلمان اس کو بھول جائیں گے کہ سود قمار اور از قبیل دوسرے ذرائع ان کی شریعت میں حرام بھی تھے یا نہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ ان آمدنیوں کا نام "فُئے" رکھا جائے کہ اس لفظ سے مسلمانوں کو یہ یاد آتا رہے گا کہ غیر اقوام سے ان کے شرعی تعلقات کیا ہیں اور غیر اسلامی حکومتوں کے معاہدۂ امن کی تحمیل آیا شرعاً کس حد تک لازم ہے؟[۳] آخر جن کاروباری معاملات سے خدا ناراض نہیں ہے، قانون خوش، حکومت خوش، دینے والے خوش، لینے والے خوش، ان کے اختیار کرنے میں مسلمانوں کو کس چیز سے ڈرنا چاہیے۔

(باقی)

بقیہ حاشیہ ص ۳

جس کی تعریف سبل السلام میں ہے ھو ما حصل للمسلمین من اموال الکفار من غیر حرب ولا جہاد — وہ مال جو مسلمانوں کو کفار کے اموال میں سے بغیر جنگ و جہاد کے حاصل ہو۔

اور اراضی بنی نضیر کے متعلق خود قرآن میں ہے:۔

مَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ — جس پر تم نے دوڑ دھوپ نہ کی ہو نہ گھوڑوں سے نہ اونٹوں سے۔

تمام احادیث کی کتابیں معمور ہیں کہ اس فے کی آمدنی سے اہل بیت نبوت کے ذاتی مصارف پورے ہوتے تھے۔ ۲

[۱] ترجمان القرآن۔ قرآن کی اصطلاح میں فے صرف اس مال کو کہتے ہیں جو بر سر جنگ قوم سے بغیر قتال کے حاصل ہو۔ سورہ حشر پڑھ جائیے۔ تمام ذکر حالت جنگ کا ہے۔ بنی نضیر پر چڑھائی کی گئی۔ کارزار کی نوبت نہ آئی تھی کہ وہ مرعوب ہو گئے اور انہوں نے جلا وطن ہونا قبول کیا۔ اس موقع پر جو اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آئے ان کو فے کہا گیا۔ یہ اصطلاح اُن اموال پر کیونکر چسپاں ہو سکتی ہے جو حالت امن میں غیر محارب کافروں سے سود اور قمار بازی اور سٹے اور دوسرے غیر اسلامی طریقوں سے حاصل کی جائے۔ پھر اگر یہ فے بھی ہو تو افراد امت فرداً فرداً اس کو کیسے کھا سکتے ہیں۔ اموال فے کے متعلق قرآن میں تصریح ہے کہ وہ حکومت کے خزانے میں داخل کئے جائیں اور ان کو عام مصالح اسلامی پر صرف کیا جائے۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (الحشر:۱)۔

© rasailojaraid.com